

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## اشارات

ہندوستان کی تقسیم کوئی ایسی خوش کن بات نہ تھی جسے اس ملک کے رہنے والوں نے ہنسی خوشی گوارا کیا تھا۔ یہ تقسیم ایک ناگزیر ضرورت کے تحت عمل میں لائی گئی اور اس سے اس ملک کے بسنے والوں کو مختلف قسم کے مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑا۔ تقسیم کے وقت زندگی کے بے شمار ایسے واقعات سامنے آئے کہ اگر انہیں بھیر یوں کی طرف بھی منسوب کیا جاتے تو وہ ٹرم کے ما سے اپنی گردنیں جھکا دیں اور ان الزامات سے اپنی برادرت کا اعلان کریں۔

تقسیم کے نتیجے میں یہ پیش آنے والے حوادث کوئی غیر متوقع نہ تھے جس انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے معمولی سمجھ بوجھ دے رکھی تھی اور جو حالات کی رفتار کا ذرا آنکھیں کھول کر مطالعہ کر رہا تھا وہ اس حقیقت سے پوری طرح آشنا تھا کہ اس تقسیم کے لیے لوگوں کو آگ و خون کے سمندر میں سے گزرنا پڑے گا اور اس کے بعد بھائی بھائی سے جدا ہوگا، باپ اور بیٹے کے درمیان ملاپ ممکن نہ رہے گا، ماں بچوں کی جدائی میں آہ جگر سوز کھینچے گی اور بچے ماں کی شفقت سے اُس کی زندگی ہی میں محروم ہو جائیں گے۔ بہنیں اپنے بھائیوں کے چہرے دیکھنے کے لیے زبنا کریں گی۔ اور بھائی بہنوں کے فراق میں آنسو بہا یا کریں گی۔ اس کے علاوہ لوگوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑیں گے اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے سارے تعلقات عملاً ختم ہو جائیں گے۔

اس ملک کے عوام نے ان سب روح فرسا حالات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی تقسیم ملک کے لیے اس بنا پر آمادگی کا اظہار کیا کہ چلیے ایک مرتبہ کی مصیبت برداشت کر لینے کے بعد تو حالات میں سکون پیدا ہوگا اور یہ آٹے دن کی سر بھڑپول اور باہمی کشمکش دُفن ہو جائے گی۔

ایک لمبے تجربے کے بعد مسلمانوں نے اسی حقیقت کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ اس ملک کی اکثریت جن اجتماعی حیثیات کی پرستار ہے اور جنہیں وہ ملک پر مسلط کرنا چاہتی ہے وہ مسلمان بہتے ہوئے انہیں قبول نہیں کر سکتے۔ اس لیے بجائے آپس میں دست و گریباں ہونے کے اس مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ ہندوستان کے جن حصوں میں ہندو اکثریت میں ہیں وہ حصہ انہیں دے دیا جائے اور جن حصوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے ان میں ان کی بالادستی تسلیم کر لی جائے اور اس طرح دونوں قومیں اپنے اپنے حصوں میں اپنے تصورات کے مطابق اجتماعی زندگی کی تعمیر کریں۔ جن علاقوں میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں ان حصوں میں ہندو اقلیت کے جان و مال کی حفاظت اور پاسبانی کا ذمہ اٹھائیں اور جن حصوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اس مقدس فرض کو مسلمان ادا کریں

تقسیم کے وقت عام احساس ہی تھا کہ جس فارموسے پر ہندو اور مسلمان دونوں متفق ہو گئے ہیں وہ فارمولہ بہت جلد ہی حالات کو بہتر بنا دیکے گا۔ دونوں کے اندر ایک دوسرے کے خلاف نفرت و حسرت کے جو جذبات موجود ہیں وہ تھوڑی مدت گزر جانے کے بعد ختم ہو جائیں گے اور انکی جگہ محبت اور آشتی کے احساسات موجزن ہوں گے اور اس طرح ماضی کی ٹھنڈیاں بھول کر دونوں قومیں مستقبل میں اپنی قومی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی راہ نکالیں گی اور یہ دونوں ممالک جن کے درمیان بہت سی چیزیں مشترک ہیں وہ ایک دوسرے کے دمساز رفیق اور مخلص مددگار ثابت ہوں گے۔

مسلمانوں نے ارضِ پاکستان میں اقلیتوں کے جان و مال کی پوری طرح حفاظت کی اور ان کے ساتھ اس قدر فیاضانہ سلوک کیا کہ دنیا کی شاید ہی کوئی اکثریت اپنی اقلیت کے ساتھ اس قدر فیاضی کا معاملہ کر سکے۔ مغربی پاکستان میں تو غیر مسلموں کی تعداد بہت کم ہے لیکن مشرقی پاکستان میں ہندو زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہیں اور توازنِ اقتدار عملاً انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس شخص یا

گروہ کو آگے لانا چاہتے ہیں بڑی آسانی کے ساتھ لے آتے ہیں اور پھر اُس مہرے کو بساط سیاست پر اپنی منشا اور مرضی کے عین مطابق گھماتے پھرتے ہیں۔

گذشتہ پندرہ برسوں میں کبھی ایک مرتبہ بھی ہندوؤں کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کی گئی، اور اگر کسی وقت اس قسم کا کوئی خطرہ محسوس ہوتا تو حکومت اور عوام دونوں نے اس رجحان کو بڑی سختی کے ساتھ دبا دیا۔

مسلمان اگرچہ مذہب سے کافی حد تک بیگانہ ہو چکے ہیں، وہ اپنے اندر سیرت و کردار کا وہ اعلیٰ معیار بھی نہیں رکھتا جو اُس کے آبا و اجداد رکھتے تھے۔ اس کے اندر تعصب، تنگ نظری اور خود غرضی کے جزائیم کافی مقدار میں پرورش پا چکے ہیں لیکن وہ اس گئی گذری حالت میں بھی بہر حال اس بات کو نہیں بھولا کہ اُسے دنیا میں کمزوروں اور بے کسوں کو ستانے اور ان پر دستِ ظلم دراز کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ ان کی حفاظت اور دادرسی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس بنا پر اس کا یہ فرض ہے کہ جن لوگوں کے جان و مال کا اُسے پاساں بنایا گیا ہے وہ بُرے سے بُرے حالات میں بھی انہیں ہر قسم کے ظلم و ستم سے جان کی بازی لگا کر بھی بچانے کی کوشش کرے۔

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہندوؤں کے ہاں شرافت اور انسانیت دوستی کے سارے چٹھے ٹوکھ گئے ہیں لیکن ہم یہ بات بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس قوم کی عظیم اکثریت اُن اقدار کی علمبردار نہیں رہی جو دنیا میں زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ سیکوں کی جھنکار، روپوں کی ریل پیل، کارخانوں کی بہتات اور مال تجارت کی فراوانی سے قومیں زندگی کی قوت اور توانائی حاصل کرتی ہیں اس لیے وہ انہیں بڑھانے اور ترقی دینے کے لیے اٹری چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن وہ شاید تاریخ کے اس سبق کو کمیر بھول گئے ہیں کہ اس کائنات میں قوموں کے زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے لیے یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ وہ قومیں

خو زبیری، سفاکی، زیر دست آزاری کے دیتا ثابت ہونے کی بجائے مظلوموں اور بے کسوں کے لیے ڈھال ثابت ہوں۔ انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں اور خصوصاً وہ لوگ جو ان کے دست نگر ہیں ان کی جان و مال، عزت و آبرو، ان کے مذہب، ان کی معاشرتی روایات اور ان کے تہذیب تمدن کی پوری پوری حفاظت کریں۔ خدا نے آج تک اس قوم کو کبھی بھی بھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا جس کے اندر رحم اور انصاف کا جذبہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ یہی دو جذبے ایسے ہیں جن کے تحت سوسائٹی میں نہ صرف توازن قائم ہوتا ہے بلکہ کمزوروں اور بے کسوں کو ظالموں کی ریشہ دوانیوں سے پناہ ملتی ہے اور وہ امن اور سکون کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ظالم اقتدار خواہ اس کے اندر کتنی ہی تندی اور تیزی موجود ہو، جلد ہی فنا اور برباد ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ ظالموں کو سدھرنے اور اپنے مظالم سے باز آنے کے مواقع تو فراہم کرتا ہے لیکن وہ انہیں دیر تک لوگوں کی گردنوں پر مستط نہیں رہنے دیتا۔ ان کی زندگی بیت عنکبوت سے بھی زیادہ ناپائدار اور پانی کے ٹیلے سے زیادہ غیر یقینی ہوتی ہے۔

تاریخ پر ایک اچھٹی ہوئی نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ یہاں کتنی ظالم اور سفاک قومیں دنیا کے سینے پر ابھریں۔ انہوں نے کس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ قوت اور طاقت کو غلام بنایا اور پھر اس طاقت کو اخلاق انسانی کے توامیس عالیہ کی حفاظت پر صرف کرنے کی بجائے اسے غریبوں اور ناداروں کو ستانے، بے بسوں کو ظلم و ستم کا تختہ مشق بنانے کے لیے بے دریغ استعمال کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو ان کی ترقی کا راز تھی وہی ان کی موت اور بربادی کا ذریعہ بنی اور تاریخ کے وہی اوراق جن میں انصاف پسند قوموں کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے جاتے ہیں وہاں ان سفاکوں، اور زیر دست آزاروں کی ظالمانہ کارروائیوں اور ان کے انجام بد کو داستانِ عبرت کے طور پر درج کیا گیا۔

ہندوستان کی ترقی کاراگ خواہ کتنے ہی اونچے سرور میں الاپا جائے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس کے برسرِ اقتدار طبقے نے مسلم اقلیت کے ساتھ جو غیر منصفانہ بلکہ بے رحمانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے اسے دیکھ کر اس کے مستقبل کے بارے میں کوئی اچھی امید قائم نہیں کی جاسکتی۔ تاریخ میں اس سے پہلے بھی جن قوموں نے غریبوں پر دستِ ظلم دہرا کیا وہ کسی اچھے انجام سے دوچار نہ ہو سکیں اور اس ظلم و استبداد نے ان کی اپنی جڑوں کو ہی کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی طرف غیر ملکی مبصرین نے ہی اشارہ نہیں کیا بلکہ ہندوستان کے سنجیدہ اور ذی شعور طبقہ کو بھی اس خطرناک صورتِ حال کا پوری طرح احساس ہے۔ اور اس نے مختلف موضوعوں پر اس کا کھلے بندوں اظہار بھی کیا ہے۔ چنانچہ بھارت کے سربراہ پنڈت جو اہر لالی نہرو نے فسادات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

”جب تک فرقہ واریت کی ذلت کو ختم نہ کیا جائے ملک کی ترقی کی راہ میں کاوٹ پڑتی رہے گی۔ مدھیہ پریش میں جو کچھ ہوا وہ مدنی صدنا انصافی اور دشمنانہ ہے۔ جس نے ہم کو ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر عظیم صدمہ پہنچایا ہے۔ جو کچھ ہوا وہ اچانک نہیں ہو سکتا تھا اس کا خاصا حصہ منظم تھا۔“

ریپارٹ میں تقریر

اسی طرح جناب ارجن سنگھ بھدویر نے جو بھارت کی مرکزی اسمبلی کے ایک ممتاز رکن ہیں انہوں نے بڑے رنج کے ساتھ فرمایا:

”علی گڑھ میں جو قہر مناک واقعات ہوئے وہ ہندوستان کی پیشانی پر ایک بہت بڑے سیاہ دھبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی تک فرقہ وارانہ جنون کے جو مظاہرے ہوئے ان میں کبھی بھی عورتوں اور معصوم بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا تھا۔ لیکن علی گڑھ میں اسپتال میں جا کر دو جنوں مجروح عورتوں کو دیکھا“

وہ کوئی ایک درجن عورتیں اسپتال میں بہت بری حالت میں تھیں۔ جب میں

بے ہوش مس نفیس کو دیکھ رہا تھا تو مجھے بتایا گیا کہ اُس کی ماں اور دو بھائی بوسے میں مارے گئے  
 میں برداشت نہ کر سکا اور منگاک آنکھوں کے ساتھ اسپتال سے باہر نکل گیا یہ ساری عورتیں  
 محلہ مانگ چوک کی رہنے والی ہیں۔ انوری بیگم نے تو اپنے محلہ کے ان لوگوں کے نام تک  
 بتائے جنہوں نے ان کے گھر کو لوٹا۔ زیور اتنے گئے اور گھر میں آگ لگائی۔ میں نے مانگ  
 چوک میں بشیر احمد پوسٹ میں کاجلا ہوا گھر دیکھا اور وہ جگہ بھی دیکھی جہاں اس پوسٹ میں کو  
 جلا یا گیا تھا۔ . . . . محلہ مانگ چوک میں مغلوں کی مسجد کو بھی جسے جلا کر خاک کر  
 دیا گیا تھا۔ سینکڑوں مسلمان بھائیوں نے مجھے دکھایا۔ یہاں لوگوں نے مجھے قرآن مجید کے جملے  
 ہوشے اور اراق بھی دکھائے۔ میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انسان اس درجہ  
 پاگل ہو سکتا ہے کہ وہ خدا اور بھگوان کے گھر میں بھی پاگل پن کا ثبوت دے۔ وہاں پر  
 جو سامان تھا وہ بھی سب لوٹ لیا گیا۔ خدا کے گھر میں پاگل ٹھیروں نے یہ شکارناچ ناچ کر  
 ہندوستان کا سر جھکا دیا۔“

پھر ہندوستان کے بہت سے سنجیدہ لوگوں نے اس اخلاقی انحطاط، تعصب، تنگ نظری  
 اور بہیمیت کے اسباب کا بھی کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔ اس غیر انسانی طرز عمل کی سب سے  
 بڑی وجہ وہ احساسِ شکست ہے جو ہندو قوم تقسیم ملک کے وقت ہی سے بُری طرح محسوس کر رہی ہے۔  
 وہ یہ سمجھتی ہے کہ اُسے پورے ہندوستان کا بلا شکر کتبِ غیرے مالک ہونا چاہیے تھا۔ مسلم اکثریت کے  
 جو علاقے مسلمانوں کے سپرد کیے گئے ہیں وہ سراسر زیادتی اور نا انصافی ہے اور تقسیم ملک پر اسے  
 مجبور کر دینا اس کی شکست ہے۔ ہندو قوم کے اس غلط احساس کے لیے کوئی معقول بنیاد تو نہ تھی لیکن  
 اُس نے اپنے سینے میں بڑے ہی متعصبانہ جذبات کی پرورش کر کے اس احساس کو اپنی قومی زندگی  
 کا ایک جزو بنا لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گیا کہ وہ اپنے اعمال کے سارے اخلاقی نتائج سے یکسر بے پروا  
 ہو کر کمزوروں پر ٹوٹ پڑی۔ ملک کے اندر ایک طرف اُس نے اس انتقام کی آگ کو بے بس مسلمانوں

کا خون بہا کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اور دوسری طرف مختلف ریاستوں پر تشدد کے ساتھ قبضہ کرنا شروع کیا۔ منگول، مناجور، جوناگرھ، حیدرآباد اور گوا آج زبانِ حال سے بھارت کے ظلم و استبداد کی داستان بیان کر رہی ہیں۔

کشمیر پر بھارت کا قبضہ اتنا وحشیانہ اور سنگدلانہ فعل ہے کہ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہاں کے برسرِ اقتدار طبقہ کا ضمیر بالکل مُردہ ہو چکا ہے اور اُس میں کوئی اخلاقی حس باقی نہیں رہی۔ حیدرآباد اور جوناگرھ کو اس بنیاد پر ہٹا دیا گیا کہ وہاں کے باشندگان کی اکثریت غیر مسلم ہے اور ہندوؤں کے ساتھ الحاق چاہتی ہے اور ریاستیں اسی ملک کے ساتھ شامل ہونی چاہیں جس کے لیے اُن کی اکثریت خواہشمند ہو۔ لیکن اس اصول کو کشمیر میں یکسر نظر انداز کر کے یہاں یہ کہہ کر اس پر قبضہ جما یا گیا۔ یہاں کا حکمران اس ریاست کو ہندوستان کی تحویل میں دینے کا آرزو مند ہے۔

اس ضمن میں بھارت نے اہل کشمیر، پاکستان اور اقوام متحدہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیے تھے اُن کی جس انداز سے مٹی پلیدی کی گئی ہے وہ تاریخِ انسانی کی ایک نہایت ہی عبرتناک داستان ہے۔ انہیں دیکھ کر انسان کے لیے یہ باور کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ دنیا میں اصل چیز قوت و طاقت ہے اور بین الاقوامی معاملات تو اسی بنیاد پر طے ہوتے ہیں۔ ایک قوم طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر اٹھتی ہے اور وہ پوری دنیا کے دیکھتے دیکھتے ایک بے سرو سامان قوم پر اپنا نیچرِ استبداد گاڑ دیتی ہے۔ ایک طرف راستی و صداقت ہے اور دوسری طرف کذب و دروغ بانی۔ ایک جانب مظلومانہ مدافعت ہے اور دوسری طرف جارحانہ پیش قدمی۔ ایک طرف بے چارگی اور بے سرو سامانی ہے اور دوسری طرف جدید اسلحہ کی فتنہ سامانیاں، اس پر بھی اہل کشمیر جس جاننازی اور شجاعت کے ساتھ لڑے وہ کوئی بھول جانے والی بات نہیں۔ ان بیچاروں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تو خیر ہوا ہی، لیکن اسے دیکھ کر دورِ حاضر کے اخلاقی انحطاط کا پوری طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ حقیقت اسلحہ کی طرح منکشف ہو گئی ہے اقوام متحدہ ممکن ہے طاقتور قوموں کے لیے کوئی اہمیت رکھتی ہو لیکن کمزوروں

کے لیے یہ بالکل ایک بیکار ادارہ ہے۔ رہنمائی کے علمبرداروں نے اور تمدن کے دعویٰ داروں نے یہ غائب  
تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ان میں سے کوئی بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اقوام متحدہ جسے امن و صلح کا نقیب  
اور مظلوموں کی آخری پناہ گاہ ہونے کا دعویٰ ہے اُس نے بھی مظلوم کشمیریوں کی کوئی دادرسی نہ کی۔ مذاکرات  
کے ڈھکوسلے کے پیچھے بیٹھ کر ہندو اقوام نے اطمینان کے ساتھ اس ظلم و ستم کو دیکھا اور خاموش رہیں۔  
کسی نے اپنا دستِ تعاون آگے نہ بڑھایا۔ کسی نے آگے بڑھ کر ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہ کی۔ مظلوموں  
کی درخواستیں صدائیں اور بے کسوں کی پُردرد آہیں بھی انسانیت کے مردہ ضمیر کو جھنجھوڑنے میں ناکام رہیں  
یہاں تک کہ صداقت و راستی نے کذب و باطل کے آگے سر جھکا دیا اور ایک کمزور اور بے لوا قوم  
اپنی حریت و آزادی کو حوص و ہوسناکی کی دیوی کے آگے قربان کرنے پر مجبور ہو گئی۔

ہندوستان نے اس سلسلہ میں جس انسانیت سوز روش کا مظاہرہ کیا ہے اور اس کے متعلق ہندو  
دنیا نے محض اُس کی قوت و طاقت سے مرعوب ہو کر جس اخوسناک بے حسی کا ثبوت دیا ہے اُن کے  
نتائج کے بارے میں غور و فکر کرنا اُن کا اپنا کام ہے۔ ہم اس معاملے میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ جس  
جبر و استبداد کو یہ لوگ بھارت کی عظیم الشان فتح قرار دے رہے ہیں وہ اس قوم کے لیے ایک ایسا  
لفظہ انحراف بھی ثابت ہو سکتا ہے جہاں سے وہ تنزل اور بربادی کی طرف دھکیل دی جائے کمزور  
اور بے کسوں پر مظالم کے پہاڑ ٹوڑ کر، اپنے کیے ہوئے وعدوں کو قوت و طاقت کے زعم میں پس  
پشت ڈال کر، بد مقابل کی بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو کسیر نظر انداز  
کر کے آج تک دنیا کی کسی قوم نے ترقی نہیں کی۔ یہ ایک ایسی روش ہے جو وقتی طور پر دوسروں کو  
ہراساں کر سکتی ہے لیکن اس کے نتائج ہمیشہ خطرناک ثابت ہوئے ہیں۔

ہندوستان اس معاملہ میں جو موقف چاہے اختیار کرے اور مغربی اقوام جس طرح چاہیں اُس  
کے ساتھ سلوک کریں۔ یہ اُن کا باہمی معاملہ ہے جس کے اثرات سے اگرچہ ہم محفوظ نہیں رہ سکتے لیکن  
ہم اس صورتِ حال کو بدلنے کی کوشش اپنے اندر کوئی قوت و طاقت نہیں رکھتے۔ . . . .



اس پر اصل غمزدگی اور فکری لوگوں کو کرنا چاہیے

جو اس کے ذمہ دار ہیں اور انہیں اپنی قوم کی دشمنی نہیں بلکہ خیر خواہی مقصود ہے۔

یہ افسوسناک صورت حال جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جگہ موجود ہے اور اس کے نتائج بھی پوری طرح کھل کر ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ اب ہمارے دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ہم اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے کونسا قدم اٹھاتے ہیں۔ کیا ہم سب واویلا کر کے خاموش ہو جانا چاہتے ہیں یا ہم اپنے سامنے کچھ ایسی تدابیر رکھتے ہیں جنہیں اختیار کر کے ہم دوسروں کی تاخت سے محفوظ و مامون رہ سکتے ہیں۔

پندرہ سال کے گزشتہ واقعات نے اس حقیقت کو اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ مغربی اقوام خواہ اس کا تعلق انڈیا کی بلاک سے ہو یا غیر انڈیا کی بلاک سے پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان کی طرز زیادہ مائل ہیں اور وہ ہر قیمت پر اس کی تائید اور حمایت حاصل کرنے کی متمنی ہیں۔ جو صاف ظاہر ہے۔ بھارت چونکہ پاکستان کی نسبت زیادہ طاقتور ہے اس لیے بین الاقوامی رسد کشی میں جس بلاک کا اس ملک نے ساتھ دینے کی آمادگی ظاہر کی وہی بلاک زیادہ مضبوط ہوگا۔ اس لیے ہمیں اس حقیقت کو پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بلاک بھی بھارت کی کسی قیمت پر ناراضگی مولیٰ لینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا آلا یہ کہ خود اس ملک کو ہی اس کے بڑے ہمسایہ استعماری عزائم سے خطرہ لاحق ہونے لگے۔ جس کی اس وقت اس سے بہت کم توقع کی جاسکتی ہے۔

دوسرے ہر بلاک یہ سمجھتا ہے کہ ایشیا کے اندر یہی وہ واحد ملک ہے جو ان کے مفادات کی پوری طرح حفاظت اور پاسا بنی کر سکتا ہے۔ اگر یہ انڈیا کی تائید کا ساتھ دے تو پھر انڈیا کو امریکن بلاک کے بڑھتے ہوئے تسلط کو اسی کی وساطت سے روکا جاسکتا ہے اور اس کے برعکس اگر یہ سرمایہ دار ملکوں کی تائید پر رضامند ہو جائے تو پھر اس کی مدد سے انڈیا کی تائید کے آگے بند باندھنا ممکن ہوگا۔ اپنی اس مضبوط پوزیشن کی وجہ سے بھارت ان دونوں بلاکوں سے جو مطالبہ بھی کرے گا وہ فی الفور پورا کر دیا جائے گا۔

بلکہ اسے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے ہر بلاک اس کی ہرجائز و ناجائز خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ دیکھیے کہ چین اور بھارت کے سرحدی تنازعوں میں امریکہ اور انگلستان نے پاکستان کے جذبات کو کس بڑی طرح نظر انداز کرتے ہوئے بھارت کی کس خوش دلی کے ساتھ پوری پوری معاونت اور دستگیری کی ہے اور اس سرعیت کے ساتھ اُسے اسلحہ فراہم کیا ہے جیسے کہ اُن کی اپنی سرحدیں خطرات میں گھر گئی ہوں۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ مغربی قومیں بھارت کے مقابلے میں ہمارے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کریں گی انتہائی سادگی ہے، ایک ایسی سادگی جس کے ڈانڈے حماقت اور بیوقوفی سے ملے ہوئے ہیں۔ تیسرے مغربی قوموں کی رفاقت اور دوستی پر اس وجہ سے بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کے ہاں بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد امانت اور دیانت پر نہیں بلکہ مصلحت وقت پر رکھی گئی ہے۔ اُن کے ہاں دوستی اور دشمنی کا صرف ایک معیار ہے اور وہ ہے مصلحت پرستی۔ اس لیے اُن کے سارے عہد و پیمانے، اُن کی یقین دہانیاں محض دھوکہ ہیں۔ وہ جب بھی کسی وعدے کو اپنی مصلحت کے خلاف پاتی ہیں تو اسے توڑنے میں انہیں قطعاً کوئی باک نہیں ہوتا۔ اپنے عہد کا پاس اور اُس کی پابندی وہ صرف اُس حد تک ہی کرتی ہیں جس حد تک اُن کے اپنے مفادات پر کوئی ضرب نہ ٹپنے پائے لیکن جس لمحہ میں یہ محسوس کرتی ہیں کہ ان کے مفادات پر معمولی سے معمولی زد پڑ رہی ہے تو پھر وہ انہیں بلا تکلف اٹھا کر پھینک دیتی ہیں۔ امریکہ نے ہندوستان کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے جس بددیانتی کا ثبوت دیا ہے اُسے دیکھ کر ہمیں ان قوموں سے کسی خیر اور بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ امریکہ کس شرمناک طریق سے ہمارے جذبات اور احساسات سے مسل بھینتا رہا ہے اور اندر ہی اندر وہ ہمارے دشمن کے ساتھ محبت کے رشتے استوار کرنے میں برابر مصروف رہا ہے۔ مغربی ڈپلومسی کی یہ ایک ایسی بدترین مثال ہے جسے کبھی بھلا یا نہیں جاسکتا۔ اس بنا پر مغربی اقوام سے کسی خلوص، سچائی اور انصاف کی توقع رکھنا محض ابلہ فریبی ہے۔ ہمیں اس بات کو پوری طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے کسی قول و قرار کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔ ان کی حیثیت مرغ یا نا کی سی ہے جسے وقتی مصلحتوں کے تھپتھیرے جس طرف چاہیں گھمادیں۔

پھر مغرب اگرچہ کافی حد تک روشن خیال ہو گیا ہے لیکن اُس کے دل سے ابھی تک وہ کینہ اور بغض نہیں گیا جو صلیبی جنگوں کی یاد سے اُس کے اندر برابر سنگ رہا ہے۔ چنانچہ گذشتہ دو صدیوں میں اُس نے اسلامی ممالک کو جس طریق سے تاخت و تاراج کرنے کی مختلف کوششیں کی ہیں وہ ایک انتہائی دلفگار داستان ہے۔ مغربی طاقتوں نے ہر اُس ملک کو پامال کیا جس میں اسلام کے ابھرنے کے کچھ بھی امکانات موجود تھے۔ انہوں نے ہر اُس تحریک کو کچلنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جو احیائے اسلام کا عزم رکھتی تھی اور اس کے مقابلے میں انہوں نے ہر اُس گروہ کی داسے، درمے، قدمے، سخنے مدد کی جس نے مسلمانوں کو مغربی تہذیب و تمدن میں رنگنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس معاملہ میں مغربی قوموں نے انتہائی چوکسی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اس راہ میں براہ راست ایکٹ کا پارٹ اور انہیں کہیں بلکہ مسلمانوں کے اندر ہی ایسے دو گول کو لگتے پھانے کی کسی کتی ہیں جو اپنی قوم کے جذبات و احساسات کے خلاف صرف آراہونے کے لیے تیار ہو جائیں ان کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کے اندر ایک قسم کی خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ امت مسلمہ کے اندر بعض ایسے طبقوں نے سر اٹھا لیا ہے جو اس امت کے اندر ہر قسم کا فتنہ و فساد برپا کر رہے ہیں اور غیروں کے فراہم کردہ وسائل سے اس ملت کو مغربی اقدار کا غلام بنانے کے درپے ہیں۔

ان حالات میں ہمارے لیے راہ نجات کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو اس وقت ہر پاکستانی کو پریشان کر رہا ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری پہلی گزارش یہ ہے کہ ہم نے مغربی قوموں پر بے جا اعتماد کر کے اُس کے خطرناک نتائج کو اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ اس لیے ہمیں غیروں پر بھروسہ کرنے کی پالیسی کو کبھی ترک کر دینا چاہیے اور اس بات کا عزم بالجزم کرنا چاہیے کہ اب ہم سب ٹھوڑے خداؤں کو چھوڑ کر ایسی بلند و بالا ذات پر بھروسہ کریں گے جو اس دنیا میں قوت و طاقت کا حقیقی سرچشمہ

ہے اور جس کے ساتھ رشتہ عبودیت استوار کر لینے کے بعد پھر ہم کبھی بھی ذلت اور مسکنت مستط نہیں ہو سکتی۔ خدا پر ایمان محض چند حروف کا ایک کلمہ ہی نہیں بلکہ دنیوی سر بلندی اور اخروی فلاح کی ضمانت ہے۔ دنیا کی جس قوم نے اس ایمان کو اپنے سینے میں اُس کے پورے مقتضیات کے ساتھ پالا ہے اُسے کبھی کوئی جابر سے جابر قوم بھی سرنگوں نہیں کر سکی۔

اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ

ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

کوئی شاعر نہ بڑ نہیں، بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر پوری انسانی تاریخ گواہ ہے

دنیا کی جس قوم نے بھی اپنے اندر کسی مقصد کے ساتھ عشق پیدا کر کے اپنی زندگی کو اُس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی اور پھر اُسے سر بلند کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی دینے پر آمادہ ہوئی، قوت و طاقت نے خود آگے بڑھ کر اپنی عنان اختیار اُس کے سپرد کر دی اور اُس نے اُسے جس طرح چاہا بے دریغ استعمال کیا۔ آج اگر قوم پرستی کا خوفناک جذبہ یورپ کی مختلف اقوام کو سرگرم عمل کر سکتا ہے، اگر نسلی نفوق اور برتری کا شیطانی فلسفہ اہل جرمن کے لیے زندگی کی حرارت پیدا کرنے میں کامیاب ثابت ہو سکتا ہے، اگر انتر کسیت جیسا انسانیت سوز نظریہ روس اور چین جیسی بیکار اور لپس ماندہ قوموں کو نئے نئے عزازم اور دولے عطا کر سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام جیسا الہامی دین اور متوازن اور حیات آفرین نظام حیات مسلمانوں کے دلوں کو گرمانے اور اُن کے اندر خونِ زندگی دوڑانے میں ناکام رہے۔

ماضی کا تو ذکر چھوڑیے، گذشتہ چند سالوں میں ہم اس اسلامی نصب العین کی اثر آفرینی کے مختلف مظاہر دیکھ چکے ہیں۔ خود پاکستان کا وجود اس کا ایک عبرت انگیز نمونہ ہے۔ اسلامی نظام حیات کے ایک نعرے ہی نے اپنی مقناطیست سے جوڑ کر ہمیں ایک وحدت بنا دیا۔ ہمیں ایسی قوت و

طاقت بخشی جس کی مدد سے ہم نے مختلف مخالفتوں اور فراہمتوں کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ ہمارے اندر تیار اور قربانی کے لیے نہایت ہی پاکیزہ جذبات ابھرے اور ہم اس بلند و بالا مقصد کی خاطر اپنا تن من و دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے جس نصب العین کی کشش اور محبت اور جس نظام حیات کی طلب اور لگن ہمارے اندر یہ جوش عمل پیدا کر سکتی ہے کہ ہم اس کرۂ ارضی پر ایک نئے مسلمان ملک کا اضافہ کر دیں، اُس نصب العین اور اُس نظام حیات میں یہ حال یہ طاقت بھی موجود ہے کہ وہ ہمیں اس ملک کے حفظ و بقا کے لیے بھی پوری طرح صاف بستہ کر سکے۔

مسلمانوں کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو اس کے لیے یہ امر بجائے خود کافی پریشان کن ہوتا کہ وہ ایک ایسا اجتماعی تخیل، ایسا مقصد، ایسی تدریس، ایسے اصول کہاں سے لائے جو اُس قوم کے مختلف عناصر کے اخلاقی تخیلات پر غالب ہو کر اُسے ایک بنیادِ موصول بنا سکیں۔ لیکن ہمارے ہاں تو خوش قسمتی سے یہ سب کچھ موجود ہے اور صدیوں کی روایات پہلے ہی اس کی جڑیں ہماری زندگی میں پوری طرح پھیلا چکی اور گہری تار پکی ہیں صرف ہماری غفلت اور دوزگی نے اسے مضحک کر رکھا ہے اور اس وجہ سے ہم قوت و استحکام کے اس لازوال اور عظیم خزانے سے محروم ہو رہے ہیں، جس نے نہ صرف ہمیں ایک الگ ملی وجود بخشا بلکہ جس کی بدولت کئی صدیوں تک پوری دنیا کی امامت اور سربراہی بھی ہمارے ہاتھ میں رہی۔ یہ محض اس نصب العین کی برکت تھی کہ ہم صحرا کے ایک گوشے سے اٹھ کر ساری دنیا پر چھا گئے۔ ہماری تہذیب دنیا کی غالب تہذیب سمجھی گئی۔ ہمارے خوب ناموس کے پیمانوں کے مطابق قوموں نے اپنی اقدارِ حیات متعین کیں۔ ہمارے پیش کردہ قوانین اور اخلاقی ضابطوں کی روشنی میں لوگوں نے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل کی ہمارے اساسی تصورات سے متاثر ہو کر انسانوں نے انسانیت کا سبق سیکھا اور اپنے غضب شدہ بنیادی حقوق کی واپسی کے لیے جدوجہد شروع کی۔ ہم نے علم کی شمعیں جلائیں، تمدن کے گیسو سنوارے، اور انسانی عقل و فکر کو اُس کے صحیح مرتبہ اور مقام سے آشنا کیا۔ یہ کوئی عہدِ عشق کا افسانہ نہیں بلکہ عہدِ حاضر کی ایک

ایسی ٹھوس حقیقت ہے جس پر تاریخ کا ہر ورق شاہد ہے۔ آج اگرچہ ہم پر ادا بار کی گھٹائیں چھا چکی ہیں، ہم دنیا میں ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کٹے اڑھی پر ہمارا کوئی وزن نہیں رہا۔ آج بیٹروں کے گلے کی بھی ایک قیمت ہے لیکن انسانوں کی اس بیٹری کی جسے امت مسلمہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے آج واقعی کوئی قدر و قیمت نہیں لیکن ہم ابھی تک یہ بات نہیں بھولے

کبھی ہم بھی با اقبال تھے ہمیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جب تک ہماری پیشانی اپنے خالق اور مالک کے سامنے پورے اخلاص کے ساتھ جھکتی رہی تو پوری نوع انسانی ہماری دست نگر رہی اور زمانہ بھی اپنی رفتار متعین کرنے کے لیے ہمارے اشاروں کا منتظر رہا۔

اُس مبنی اور اقبال مندی اور موجودہ ذلت و پستی کے اسباب پر ہم جب غور کرتے ہیں تو ہمیں ہر پھر کہ صرف ایک ہی وجہ نظر آتی ہے کہ ہم نے اُس چشمہ حیات سے بحیثیت ملت منہ موڑ لیا ہے جو ہماری طاقت کا اصل مبداء ہے اور اپنے آپ کو اُس بحرِ ظلمات میں کھو دیا ہے جس سے انسانیت کو نکالنے کے لیے ہم اس دنیا میں پیدا کیے گئے ہیں ہم اپنے اصل سبق کو بھول گئے ہیں، ہم نے اُس انقلاب انگیز پیغام کو بھی فراموش کر دیا ہے جسے سننے کے لیے تو میں ہماری طرف متوجہ ہوا کرتی تھیں اور ہم آج اُن ساری خوبیوں کو اپنے ہاں ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت شمار ہے ہیں جن کی بدولت دنیا میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

ایک فرد کے نزدیک جو اہمیت روح کی ہے، قوموں کے نزدیک وہی اہمیت اجتماعی تخلیقات اور اُن کے مقاصد کی ہوتی ہے۔ جس طرح روح کے جسم سے الگ ہو جانے کے بعد بے جان جسد زندہ انسانوں کے لیے اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتا۔ بلکہ اُن کے لیے ہر لحاظ سے مفرت رساں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ جلد از جلد اسے ٹھکانے لگانے کے لیے فکر مند ہوتے ہیں بالکل

اسی طرح تو میں اپنے نصب العین سے بے تعلق ہو کر، اپنے اساسی تصورات سے رشتہ توڑ کر اور اپنے مقاصد اور نصب العین سے الگ ہو کر لائیں بن جاتی ہیں جن سے پھر فائدہ انسانیت انسانوں کی حیثیت سے معاملہ نہیں کرتا بلکہ انہیں خاک کا ڈھیر سمجھتے ہوئے یکسر نظر انداز کر کے آگے بڑھتا ہے اور اگر وہ راہ میں حائل ہوں تو پھر انہیں ٹھوکروں کے ذریعہ بڑی بے رحمی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

ہمارے پاس آخر وہ کونسی ایسی چیز ہے جس کی بدولت دنیا ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ تعداد کے اعتبار سے ہم کوئی قابل قدر حیثیت نہیں رکھتے۔ خصوصاً جب یہ تعداد بھی زندگی کی حریت بھی کھو چکی ہو اور اس کے اندر جینے اور ترقی کرنے کے سارے ولولے ختم ہو چکے ہوں۔ یہ بے جان لاشے جتنے زیادہ ہوں گے اتنے ہی یہ کرۂ ارضی پر بوجھ تصور کیے جائیں گے۔ پھر زرو مال کی ہمارے ہاں کوئی ایسی فراوانی نہیں جو دوسری قوموں کے لیے کشش کا باعث ہو۔ علم و ہنر میں ہم نے کوئی ایسی حیرت انگیز ترقی نہیں کی جس کی وجہ سے دوسری قومیں ہماری رہنمائی اور تعاون کی ضرورت محسوس کریں۔ پھر یہ افکار و نظریات جنہیں ہمارے ہاں فروغ دینے کے لیے ہمارا برسرِ اقتدار طبقہ بنیاد ہے، یہ سب دانش فرنگ کی کرشمہ سازیاں ہیں جنہیں اپنا کر ہم تقال اور تابع ہمیل تو کہلا سکتے ہیں لیکن کبھی بھی قیادت اور سربراہی کا منصب حاصل نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر دنیا میں باعزت طور پر زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کاری نہیں کہ غیروں کی کاسہ لسی کرنے کی بجائے اسلام کے علمبردار کی حیثیت سے دنیا میں اٹھیں اور اپنے اس خطہ پاک کو مغرب کے باطل انکار و نظریات کی آماجگاہ بنانے کی بجائے تحریک اسلامی کا مرکز و محور بنائیں جہاں سے انسانیت کے بھٹکے ہوئے تفلے نورِ ہدایت حاصل کر سکیں۔ اس ایک حیثیت کے علاوہ ہماری کوئی دوسری حیثیت اب نہیں اس دنیا میں باوقار طریق سے زندہ نہیں رکھ سکتی۔ پھر ہماری یہ حیثیت ایک ایسی حیثیت ہے جس سے ایک طرف ہمارا خالق و

مالک ہم سے راضی ہوگا اور اس بنا پر ہم دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہونگے اور دوسری طرف اس کوہ ارضی پر ہم ایک تہر اور عظمت کی طاقت کی حیثیت سے ابھرنے کی بجائے ابر رحمت بن کر برسیں گے جس کی بدولت یہاں نیکی اور شرافت کے پھول کھلیں گے۔ خدا خونی اور فکر آخرت کے مرجھا ہوئے نخل ہرے بھرے ہونگے، عدل و انصاف کی کھیتیاں سیراب ہونگی اور اس طرح گلشن انبیت میں جو مادیت کی بادِ مہوم سے قریب قریب اُجڑ چکا ہے، پھر سے فصل بہار آئے گی۔

لیکن یہ خوشگوار تبدیلی محض آرزوؤں اور تمناؤں کے بل بوتے پر ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے فکر و عمل کے میدان میں ایک عظیم انقلاب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے اس سلسلہ میں فی الفور کرنے کے جو کام ہیں ان میں سب سے ضروری یہ ہے کہ ہم گذشتہ پندرہ سالوں سے بحیثیت قوم اسلام کے ساتھ جو آنکھ مجبوری کھیل رہے ہیں، اس شرمناک کھیل کو ختم کر دیں کیونکہ اسلام کوئی کھیل تماشہ نہیں بلکہ خدا کا نازل کردہ وہ واحد دین ہے جو پوری انسانیت کی فلاح و کامرانی کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام کے ساتھ کبھی کبھار کے زبانی اشتغال پر قناعت کر کے یہ سمجھ لینا کہ اس سے پاکستان تحریک اسلامی کا فیض بن سکتا ہے پرلے درجے کی حماقت ہے۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے اسلام کے بارے میں اس تناقض کو دور کرنا چاہیے جو ہماری زندگی کے سارے شعبوں میں نمایاں ہے اور جس میں بدقسمتی سے ہر روز اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر پاکستان کو تحریک اسلامی کا مرکز بنانا ہے تو پھر یہاں کی سیاست، معیشت، معاشرت اور تعلیم سب کو اسلام کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ یہاں پھر پوری کوشش کے ساتھ اس امر کا التزام کرنا چاہیے کہ اس خطہ پاک میں وہ بھلائیاں پروان چڑھیں جنہیں اسلام فروغ دینا چاہتا ہے اور ان برائیوں کا قلع قمع ہو جنہیں اسلام مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ اگر شراب خوردی، قمار بازی، فحاشی اور بے حیائی یہاں اسی رفتار سے پھیلتی چلی جائیں اور حکومت ان کی اسی انداز سے سرپرستی کرتی رہے جس طرح کہ وہ اس وقت کر رہی ہے، اگر یہاں بندہ مزدور کے اوقات اسی طرح تلخ رہیں جس طرح



کہ وہ فی الواقع اس وقت میں، غریبوں پر عرصہ حیات روز بروز تنگ ہوتا چلا جائے اور ملک کی دولت سمٹ کر صرف ایک مختصر سے طبقے میں محدود ہو کر رہ جائے جو اسے صرف اپنی عیاشیوں میں صرف کرتا رہے، عوام اپنے بنیادی حقوق تک سے محروم ہوں، لوگوں کے جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو، عدل و انصاف اتنا گراں ہو کہ اسے صرف اصحاب ثروت ہی خرید سکیں۔ الغرض وہ ساری برائیاں یہاں ترقی پذیر ہوں جنہیں اسلام بیخ دین سے اکھاڑنا چاہتا ہے اور وہ ساری خوبیاں ناپید ہوں جنہیں اسلام پرورش کرنے اور پھیلانے کی تلقین کرتا ہے، تو اس افسوسناک صورتِ حالی کو دیکھ کر کونسا بیوقوف یہ باور کر گیا کہ اس ملک سے اسلام کا نور پھوٹنے والا ہے۔

اسلام اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے، اُس میں بڑھنے اور پھینے کی زبردست قوت موجود ہے، اُس کی تعلیمات میں یہ سحر ہے کہ وہ اپنے بدترین دشمنوں کو اپنا دلسوز رفیق اور جان نثار بنا لے۔ اس کے راستے میں آج سب سے بڑی رکاوٹ خود مسلمانوں کی دورنگی اور منافقت ہے، اگر اسلام کی عالمگیر سچائیاں صرف قرطاس میں محفوظ ہوتیں اور اُن کے ساتھ اُن نفوس قدسی کے افعال و اعمال کا تاریخی ریکارڈ بھی موجود ہوتا جو اس دین کے صحیح معنوں میں پیرو تھے تو انسانیت اسے قبول کرنے میں اتنی مثالی نہ ہوتی جتنی کہ وہ مسلمانوں کا طرزِ عمل دیکھ کر ہوتی ہے۔ وہ جب یہ دیکھتی ہے کہ خود اس دین کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے اپنی عملی زندگی میں اس سے کنارہ کش ہو چکے ہیں اور وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کے لیے جو خاکے اور نقشے تیار کر رہے ہیں وہ مغربی تہذیب کا چربہ ہیں تو ان حالات میں وہ یہ سمجھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے کہ اسلام شاید اپنی عملی افادیت اب کھو چکا ہے اسی وجہ سے اس کے ماتھے والے ایسے دوسروں کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔

ہم ہمیں سے وہ لوگ جنہیں کبھی بھی کسی یورپین سے اسلام کے بارے میں کھل کر گفتگو کرنے کا

موتح ملاوہ اس صورت حال کی ضرورتاً نید کریں گے۔ خود راقم الحروف کو کئی مرتبہ اس کافاتی تجربہ ہوا۔ ایک جرمن نژاد پروفیسر جنہیں اسلام سے خاصا لگاؤ تھا اور جو اسلامی روایات کے بڑے قدر داں تھے۔ وہ ایک مرتبہ ملنے کے لیے تشریف لائے اور اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر نہایت سلھے ہوئے انداز میں گفتگو کرتے رہے۔ آخر میں کہنے لگے "اسلام نے اپنے عہد میں واقعی ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" جب میں نے یہ کہا کہ یہ آج بھی انسانی دکھوں کا مداوا کرتا ہے اور انسانیت آج جن مصائب میں گرفتار ہے ان سے اسے احسن طریق سے نجات دلا سکتا ہے تو کہنے لگے "آپ کو ایک مسلمان کی حیثیت سے ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیے" میں نے کہا: یہ چیز عملی اعتبار سے بھی حقیقت ہے "تو کہنے لگے "مجھے اس کے قبول کرنے میں کافی تردد ہے، اگر یہ واقعی انسانی دکھوں کا مداوا ہے تو پھر سب سے پہلے آپ کو اپنے اس نسخہ کیمیا کو آزمانا چاہیے۔ آپ جو مغرب کی نقالی کر رہے ہیں تو یہ اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ یہ دین کم از کم اجتماعی زندگی میں اب اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا انسان ہے جسے اپنی عزت بھی عزیز ہو اور وہ اپنے قبضہ میں ایک بیش بہا خزانہ رکھتے ہوئے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے " اُسے تو خیر میں نے جواب کے طور پر چند فقرے کہہ دیتے لیکن مجھے اس کی گفتگو سے اس بات کا ہکا سا اندازہ ہو گیا کہ ہم کس طرح اسلام کی راہ میں اب ایک سنگِ گراں بن گئے ہیں۔

پاکستان کے مسلمان اگر واقعی ایک آبرو مندانہ زندگی بسر کرنے کے آرزو مند ہیں تو پھر غیروں کی بد عہدیوں اور کم ظرفیوں اور خیر مستیوں پر غضبناک ہونے کی بجائے ضروری ہے کہ ہم پہلے اپنے گھر کے اندر اصلاح احوال کی کوشش کریں اور ملک کو داخلی اعتبار سے ایک طاقتور ملک بنائیں۔ اس کے لیے سب سے اہم اور ضروری تبدیلی وہی ہے جس کا ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے کہ ہم اسلام کے معاملے میں منافقانہ روش ترک کر کے پوری کیسوتی اختیار کریں۔

یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا، اسلامی نظام کے احیاء کے لیے ہی مسلمانوں نے بے مثال قربانیاں دی تھیں۔ اس لیے اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کی بھی فکر کرنی چاہیے۔ اگر کچھ لوگ یہاں دوسرے تجربات کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے صحیح طرز عمل یہ نہیں کہ وہ مختلف قسم کے ناجائز طریقوں کو استعمال میں لا کر مسند اقتدار حاصل کر لیں اور پھر قوت کے بل بوتے پر لوگوں پر اپنے دلپند افکار ٹھونسنے کی مذموم کوشش کریں ان کے لیے جائز اور صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ ایچ پیج کی ساری پالیسیوں کو ترک کر دیں اور جو ان کے نظریات میں انہیں کھل کر عوام کے سامنے پیش کریں، تاکہ عوام ان کا اچھی طرح جائزہ لے سکیں اور یہ اندازہ کر سکیں کہ وہ انہیں کس حد تک قابل قبول ہیں۔ اور اگر وہ رائے عامہ کی تائید سے اقتدار کی باگیں سنبھالنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر انہیں اس شخص سے نجات مل جائے گی جس میں وہ اس وقت اپنے آپ کو گرفتار پاتے ہیں اور وہ پوری کیسبوتی اور اطمینان کتب کے ساتھ قوم کو مغرب کا پرستار بنا سکیں گے۔ اور اس کے برعکس اگر وہ اپنے نظریات کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے میں ناکام ثابت ہوں اور یہاں کے عوام اس ملک میں اسلام کی ہی بالادستی قائم کرنے پر مصر ہوں تو پھر ان کی وطن دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو وہ اپنے فکر و نگاہ کے زاویوں میں اس انداز کی تبدیلی پیدا کریں کہ وہ قوم کے افکار و تصورات سے بالکل ہم آہنگ ہو جائیں یا پھر قوم کو اس بات کا کھلا موقع دیں کہ وہ ان لوگوں کو ٹرٹی آزادی کے ساتھ اقتدار کے تخت پر مستکن کر سکے جو اُس کی آرزوؤں اور تمناؤں کو بروٹھے کار لانے کا عزم اور اہمیت رکھتے ہوں۔ گذشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں برسر اقتدار طبقہ نے اس قوم کی خواہشات کا جس بے دردی سے کلا گھونٹا ہے، اُس سے قوم کے اندر کوئی تعمیری صلاحیت ابھر نہیں سکی۔ یہ طرز عمل ہمیشہ قوموں کو بزدل بناتا ہے اور ان کے اندر یاس و تنزہیت کے جو اٹیم کی پرورش کرتا ہے جو بالآخر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوتے ہیں اس بنا پر داخلی استحکام کے لیے یہ بات اشد ضروری ہے کہ اس ملک کی عنان اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھیں ہونی چاہئے جو قوم کی تمناؤں کی بطریق احسن تکمیل کر سکیں۔

ان کا طرز عمل قومی تصورات کی عکاسی کرے اور ان کی منصوبہ بندیاں قومی امنگوں کا مظہر ہوں۔

داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کی بھی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ریاستیں جن کا باشندوں کے ساتھ ہمارا دینی رشتہ قائم ہے وہ ہم سے قریب تر ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت قریب قریب ساری عرب ریاستیں نیشنلزم کا شکار ہیں اور اس بنا پر انہوں نے ہمارے ساتھ اُس آخرت اور ہمدردی کا سلوک نہیں کیا جس کے کہ ہم بحیثیت مسلم فی الواقع مستحق تھے لیکن اس معاملے میں ہم سے بھی بعض ٹری ٹری کو تاہمیاں ہوئی ہیں جن کا انا کہ کرنے کی ہمیں جلد از جلد فکر کرنی چاہیے۔ اس ضمن میں پہلی چیز جس کا اہتمام نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس خطہ پاک کی نمائندگی کا فرض صرف انہی لوگوں کو سونپا جائے جو فکر و عمل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ اب تک جن لوگوں کے سپرد یہ کام رہا ہے انہوں نے اپنے غلط طرز عمل کی وجہ سے تعلقات کو بہتر بنانے کی بجائے انہیں کافی حد تک بگاڑا ہے۔ یہ لوگ مغربی تہذیب و تمدن کے اس حد تک و لدادہ اور خدائی ہیں کہ انہیں دیکھ کر کوئی شخص یقین نہیں کر سکتا کہ یہ کسی اسلامی ریاست کے مسلمان نمائندے ہونگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کا وہ تعلق جس کی بدولت ہم ان ریاستوں کے باشندوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکتے ہیں وہ بالکل بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے، بلکہ ہمارے نمائندوں کی خلافِ اسلام حرکات کو دیکھ کر انہیں ہم سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

اسی سلسلہ میں دوسری زبردست ٹھوکہ ہم نے یہ لکھائی ہے کہ پاکستان کے قائم ہوتے ہی وزارتِ خارجہ کا قلمدان ایک ایسے شخص کے سپرد کر دیا جو کسی لحاظ سے بھی اسلامی ریاست کا نمائندہ بننے کی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ شخص ایک ایسی خاندان ساز نریت کا قائل ہے جو برطانیہ کے استعماری عزائم کا ہمیشہ آلہ کار رہی ہے۔ اس شخص نے ملک کی خارجہ پالیسی کو ترتیب دیتے وقت اس بات کا پورا پورا التزام کیا کہ یہ خطہ پاک عرب ریاستوں سے بالکل کٹ جائے اور اپنی قسمت کو مستقل

طوطی پر انیکلو امریکن بلاک کے ساتھ وابستہ کر دے۔

ہمارے سفارت خانے مرزائیت کے اڈے بن گئے۔ مرزائیوں کو کثیر تعداد میں بھرتی کر کے دوسرے ممالک میں بھیجا گیا جہاں انہوں نے ملک اور قوم کے حق میں رائے عامہ مہوار کرنے کی بجائے قادیانیت کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہ چیز عرب ممالک کے لیے ہر لحاظ سے ناقابل برداشت ہے۔ ایک عرب جو عربی زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں سے پوری طرح واقف ہے وہ بے دین تو ہو سکتا ہے لیکن کبھی مرزا غلام احمد قادیانی جیسی بھونڈی اور غلط عربی بکھنے والے شخص کو نبی نہیں مان سکتا۔ اس کے علاوہ عرب مرزائیت سے صرف مذہباً ہی متنفر نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک دیسی نبی کے اٹھنے سے ان کی رگ عربیت کو بھی ضرب لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ریاستیں پاکستان کو ایک قادیانی یا نیم قادیانی مملکت سمجھ کر ہم سے روز بروز دور ہونے لگیں۔ اس افسوسناک صورت حال کا عینی جلدی تدارک کیا جائے اتنا ہی یہ ہمارے حق میں بہتر اور مفید ہوگا۔

مسلم ریاستوں اور خصوصاً عرب ممالک کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے لیے عربی زبان میں لٹریچر تیار کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس معاملہ میں بھی ہم سے زبردست کوتاہی ہوئی ہے یا میر عیاش اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ایک بصیرت افروز بیان دیا ہے ہم یہاں اس کے اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے صورت حال کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

”میں نے مشرق وسطیٰ میں محسوس کیا ہے کہ وہاں پاکستان کا پروپیگنڈا نہیں کیا جاتا۔ میں نے چار بار مشرق وسطیٰ کا سفر کیا ہے اور ہر سفر میں میرے تاثرات اور بھی زیادہ شدت اختیار کرتے گئے۔ عرب ملکوں میں اس لیے بھی پاکستان کا اثر و رسوخ نہیں کہ وہاں پاکستان کے سفارتخانے سرگرم عمل نہیں۔ اس کے برعکس بھارتی سفارت خانوں نے وہاں پروپیگنڈا پر اپنی تمام قوت صرف کر دی ہے۔ بھارت میں آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے

گئے ان کی تعداد عربی زبان میں شائع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ یہاں تک کہ عرب ملک کے تعلیم یافتہ، بااثر افراد اور سربراہوں تک کو صحیح صورت حال کا علم نہیں۔

”اس کے برعکس بھارت عربی زبان میں وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ ہر عرب ملک کے کسی بھی بک ڈپو میں ٹیکو، رگاندھی، نہرو اور دوسرے ہندو لیڈروں اور اڈیوں کی کتابیں عربی زبان میں عام مل جاتی ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان کے بارے میں ایک کتاب بھی نہیں ملتی بھارت نے عرب مسلمان اڈیوں سے خوب کام لیا جبکہ پاکستان میں حکومت کرنے والوں کے نزدیک صرف ملا ہی عربی دان ہے۔ یہاں عرب اڈیوں سے کام لینا تو درکنار پاک سفارت خانوں میں عربی بولنے والا عملہ نہیں ہوتا۔“

”ہمارے ملک کے نظام تعلیم میں عربی کو اب تک وہ حیثیت نہیں دی گئی جس کی وہ مستحق ہے۔ ہمارے ”صاحب لوگ“ عربی کو محض ملاؤں کی زبان قرار دیتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ خلیج فارس سے بحر اطلانتک تک سترہ عرب ملکوں کی یہ قومی زبان ہے اور ان میں سے اکثر اقوام متحدہ کے ممبر بھی ہیں۔ ان ریاستوں کو ہر طرح کے قابل اڈیوں کی ضرورت ہے جن میں ڈاکٹر، انجینئر، ماہرین زراعت اور مختلف علوم و فنون کے ماہر شامل ہیں۔ اگر ہمارے تعلیمی اداروں میں عربی زبان کو، دوسری یا تیسری زبان کے طور پر بھی رائج کر دیا جاتا اور عربی داں ماہرین تیار کیے جاتے تو ہم ان عرب ملکوں کو مطلوبہ ماہرین فراہم کر سکتے تھے۔ لیکن یہ موقع بھی ہمارے ہاتھ سے نکلنا جا رہا ہے۔ حالانکہ اگر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی تو ان ملکوں میں ہمارے لیے بڑی خیرگالی پیدا ہو سکتی تھی۔“

اسی ضمن میں مولانا نے حج کے بارے میں حکومت کی غلط پالیسی پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

”حج کے لیے) کوٹہ سسٹم کسی غیر مسلم ملک نے بھی نافذ نہیں کیا۔ جبکہ ہمارا حج پالیسی کی بنیاد ہی کوٹہ سسٹم پر ہے۔ اس طرح پاکستان کے عازمین حج کو زبردستی مبادلہ بھی کم دیا جاتا ہے جس سے پاکستان کے عازمین حج ہر لحاظ سے دوسرے عازمین حج کے مقابلے میں اپنے آپ کو

کم تر محسوس کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں بھارت ایک غیر مسلم ملک ہے جس کے بارے میں ہم دنیا کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہاں مسلمانوں پر ظالم توڑے جا رہے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن پاکستان کے مقابلے میں بھارت کی زیادہ عازمین رج آتے ہیں اور وہ ہماری نسبت زیادہ بہتر حالت میں رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر سال دنیا کے طول و عرض سے آنے والے مسلمانوں کے سامنے آتی ہے اور ہمارے ان تمام بیانات و اعلانات کی تردید کرتی رہتی ہے جو ہم بھارت میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے بارے میں جاری کرتے رہتے ہیں۔ ہمارا رباب اختیار میں سے آج تک کسی نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اس طرح خواہ لاکھوں اور کروڑوں روپے کا زر مبادلہ بچایا جائے، پاکستان کو پہنچنے والے فوائد سے نقصانات کہیں زیادہ ہوں گے۔

اقتباسات درطویل ہو گئے ہیں لیکن ہم نے یہ تفصیلات اس لیے پیش کی ہیں کہ آپ صحیح صورت حال کا جائزہ لیکر اصلاح احوال کی کوئی موثر کوشش کر سکیں۔ یہ کوئی اخباری خبریں نہیں جنہیں دشمن کا جھوٹا پروپیگنڈہ کہہ کر نظر انداز کیا جاسکے۔ یہ دورِ حاضر کے ایک بہت بڑے مبصر اور خادمِ دین کی تصریحات ہیں جس نے خود عرب ممالک میں چل پھر کر اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کیا ہے۔

امریکہ اور برطانیہ کی بد عہدگیوں میں بلاشبہ زبردست نقصان پہنچا ہے لیکن یہ نقصان بھی بہا کر لے مفید ہو سکتا ہے اگر یہ چوڑے ہیں خوابِ غضب سے بیدار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ دو ممبروں کی فریب کاریاں اور عیاریاں ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتیں اگر ہم بیدار مغز ہوتے اور صورتِ حال کو صحیح طور پر سمجھنے کی قابلیت اور صلاحیت رکھتے۔ آج ہم دوستوں کے جھڑپ میں رہ کر بھی اپنے آپ کو بالکل اجنبی پاتے ہیں اور معاہدوں کی جگہ بنا یوں میں جکڑ کر بھی اپنے آپ کو بے یار و مددگار محسوس کرتے ہیں۔ ہم پر بے بسی کا عالم طاری ہے۔ خدا کرے کہ ہماری یہ افسوسناک حالت ہماری آنکھیں کھول سکے اور ہم غیروں پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے خدا پر اعتماد کرنا سیکھیں اور دوسروں کی امداد پر جینے کی بجائے اپنی دنیا خود آباد کرنے کی فکر کریں۔

رہا تو سلا پر

## (بقیہ اشعارات)

اس وقت ہمارے لیے اصل پریشان کن چیز یہ نہیں کہ ہندوستان ہمارے خلاف جارحانہ عزائم رکھتا ہے یا امریکہ نے ہم سے بے وفائی کی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ہماری توقع کے خلاف نہ تھی جب مصححت پرستی ہی کسی قوم کا ایمان ہو اور قوم پرستی اُس کا دین تو اسے ہمارے خلاف ہی روش اختیار کرنی چاہیے تھی جو ان ممالک نے کی ہے۔ ہمارے لیے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو میں اگر اس سے مختلف رویہ اختیار کرتی تو ہم یقیناً حیرت زدہ ہوتے۔ اگر ہندوستان کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی اور امریکہ کی جگہ روس ہوتا تو پھر بھی ہمارے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا جو کہ اب کیا گیا ہے۔ کرنا ہیہ قوت ملک ہے جو مادیت پرستی کے اس دور میں ایک طاقتور قوم کی رفاقت اور دوستی کو چھوڑ کر ایک کمزور قوم کے لیے اپنے آپ کو قربان کرے گا۔

ہمارے لیے اصل پریشان کن مسئلہ یہ ہے کہ ہم بار بار کی ٹھوکریں کھانے اور چوٹیں پہنے کے باوجود اپنی اُس روش کو تبدیل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ جس کی وجہ سے دوسری قومیں ہمارے ساتھ یہ ناروا سلوک کرنے کی جسارت کرتی ہیں اور خود اپنی اُن غلطیوں کو محسوس نہیں کرتے جن کی بدولت ہمیں بے درپے بیزکیں اٹھانی پڑ رہی ہیں ہم حقائق سے مُنہ میٹھ کر محض اُزور اور تمناؤں کے پیچھے چلنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ جو شخص یا گروہ ہمیں خواب و خیال کی دنیا سے نکال کر حقائق سے روشناس کرنے کی کوشش کرتا ہے ہم اُسے اپنا دشمن اور اپنے ملک اور قوم کا دشمن سمجھنے لگتے ہیں اور اُس کے پیچھے بچے جھاڑ کر پڑ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ہمیں خوش کن

باتیں بتا کر ہم پر کیفیت و مستی کا عالم طاری کر دیتا ہے ہم اُسے اپنا خیر خواہ خیال کرتے ہیں اور اُس کی اندھا دھند پیروی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ عمل کی قوت اب ہم میں قریب قریب ناپید ہو چکی ہے لیکن ہم اس منہ خفیہ کو نہ تو سننے کے لیے تیار ہیں اور نہ اس کے تدارک کی کوئی فکر ہی کرتے ہیں بلکہ ٹھوس عمل کی کمی کو سپنوں کے محلات تعمیر کر کے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہمیں نصیحت سے ایک قسم کی ضد اور چر پید ہو چکی ہے اور کذب و فریب اور لاف گزاف کے لیے



ہمارے دل جذبہ احترام سے معمور ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے آج تک کسی معاملہ کو سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم نے اپنے رہبروں اور سربراہ کاروں کے انتخاب کو کبھی بھی ایک تماشہ سے زیادہ اہمیت نہ دی اور محض ترنگ میں اگر قوم کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اس غیر سنجیدہ طرز عمل کے اب ہم اتنے خوگر ہو چکے ہیں کہ کسی اہم سے اہم قومی مسئلہ کے بارے میں بھی سنجیدگی سے غور کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم تباہ کن حوادث میں مبتلا ہونے سے پہلے اُن کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے کہ کہیں خیالات کے قلعوں میں زلزلہ نہ آجائے اور ٹھوس حقائق سامنے آکر ہمارے لطف کو کرانہ کر دیں۔ ہماری ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر جب ہم پر عرصہ جیات تنگ ہونے لگتا ہے اور تلخ حقائق کی ضربیں ہمارے خیالی قلعوں کو یک لخت منہدم کر دیتی ہیں تو پھر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں بلکہ ہم ان کی ایسی توجیہات کرنے لگتے ہیں جن سے نفس کو یہ اطمینان دلایا جاسکتے کہ ہم میں تو کوئی کمی اور خامی نہیں، ہمارا طرز عمل ہر اعتبار سے بالکل صحیح اور معیاری ہے صرف فلاں قوم کی غداری اور فلاں کی بے وفائی نے ہمیں اس حادثہ سے دوچار کر دیا ہے پھر ہمارے جذبات میں دفعتاً ایک زبردست اشتعال پیدا ہوتا ہے اور زبانیں بالکل بے لگام ہو کر حرکت میں آنے لگتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی پوری فضا شعلہ جواہر بنا کر رکھ دی جاتی ہے جس کے اندر لوگ اس حادثہ اور اس کے نتائج کو فہم و فراست کی معتدل میزان پر توڑنے کی بجائے جذبات کی شعلہ فشا نیوں سے جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح غیروں پر غضبناک ہو کر اور انہیں بڑا جھلا کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں لیکن نہ تو اپنی کمزوریوں پر غور کرنے کی کوئی زحمت گوارا کی جاتی ہے اور نہ انہیں دُور کرنے کا کوئی عزم ہوتا ہے۔ ہمارا یہ وقت تنقید صرف دوسرے ممالک اور دوسرے لوگ ہی بنتے ہیں اور اس طرح ہم اپنے آپ کو اس زعم باطل میں مبتلا رکھتے ہیں کہ ہم ہر لحاظ سے مبرا عن الخطا ہیں۔ ہمارا یہ طرز عمل ہمارے اخلاق کو بند کرنے اور ہمارے ارادوں کو تقویت پہنچانے کا ذریعہ نہیں بلکہ در حقیقت یہ وہ اخیون کی گویاں ہیں جو پھر چوٹ کے بعد ہم اس لیے کھایا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی خامیوں کا تلخ احساس نہ ہونے پائے اور

ہماری یہی کمزوری ہماری سب سے بڑی دشمن ہے۔

خدا کرے کہ ہماری قوم ہماری ان گزارشات کو حسبِ عادت جذبات کے شعلوں میں جلائے  
کی بجائے عقل و دانش کی میزان میں تول کر دیکھے اور ہمارے اربابِ لبست و کشاد صورت زبان کے  
جوہر دکھائے اور غیظ و غضب کا اظہار کرنے کی بجائے اصلاحِ احوال کے لیے کوئی عملی جدوجہد  
کریں۔ یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے حالات کو تشویشناک حد تک بگاڑ دیا ہے لیکن  
ابھی پانی سر سے نہیں گزرا۔ ابھی صورتِ حال کی اصلاح بہ طرح ممکن ہے۔ اگر اب بھی ہم میں ٹھوس  
حقائق سے دوچار ہونے کی ہمت پیدا ہو جائے اور ہم خوش کن مگر کبھی باتیں سننے کی بجائے تلخ  
مگر کام کی باتیں سننے کے لیے تیار ہو سکیں۔ اور اصلاح کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تو آج بھی حالات  
ہمارے حق میں پلٹ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دنیا ذرائع اور اسباب کی دنیا ہے  
اور اس معاملے میں ہم دوسروں کے معاملے میں بہت کمزور ہیں لیکن تاریخ اس حقیقت کی بھی  
آئینہ دار ہے کہ بسا اوقات کسی قوم کے دعوے کی صداقت، اُس کے عمل کا خلوص، اُس کی  
نیت کی پاکیزگی اور اُس کے عزم کی پختگی، اُس کے ذرائع کی کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ خدا کا قانون  
آپ کی رفاقت کا تھوڑا سا سہارا چاہتا ہے۔ اگر آپ اس معاملے میں تھوڑی سی ہمت  
کریں تو وہ خالق جس کے قبضہ قدرت میں کائنات کی تمام قوت و طاقت ہے وہ آپ کا  
حامی اور مددگار رہے گا اور اس کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت  
آپ کو گزند نہ پہنچائے گی۔ کیونکہ اُس کا وعدہ ہے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔

اس سلسلہ میں یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ جہاں مومنین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حمایت و  
نصرت کا وعدہ کیا ہے اور انہیں اس امر کا یقین دلایا ہے کہ اُس کی اطاعت اور فرماں برداری  
اختیار کر کے انہیں کبھی بھی ذلت و خواری کا منہ نہ دیکھنا پڑے گا۔ وہاں اُس نے انہیں اس بات  
پر بھی متنبہ کر دیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسندیدہ اور کوئی روش نہیں کہ

کوئی شخص یا گروہ زبان سے اُس کی پرستش اور اطاعت گزاری کا دعویٰ کرے لیکن عملی اعتبار سے وہ ایک ایسا طرز عمل اختیار کرے جو باغیوں اور سرکشوں کے عمل سے ملتا ہو۔ اس منافقانہ روش کو وہ زیادہ دیر برداشت نہیں کرتا۔ جب کوئی قوم اُس کے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہوئے اُس سے بے تعلقی ہو جاتی ہے تو پھر وہ بے نیاز ذات بھی اس سے قطعی طور پر منہ موڑ لیتی ہے اور اُس کی جگہ کسی اور قوم کو اپنی محبت کا تاج و تخت عطا کر دیتی ہے جیسا کہ اُس نے ہمیشہ کیا ہے۔

اور تمہارا پروردگار بے پروا اور فیاض ہے۔  
 وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنَّ  
 يَشَاءُ يَذْهَبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ  
 مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ  
 قَوْمًا آخَرِينَ۔

اگر وہ چاہے گا تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لیگا  
 اور تمہارے بعد کسی دوسری جماعت کو کھڑا  
 کر دیگا جس طرح کہ خود تم کو دوسروں میں سے  
 اس نے منتخب کیا تھا۔

اگر مسلم قوم کو اب اللہ کی رضا اور خوشنودی سے زیادہ اپنی خواہشات عزیز ہیں اور اُس سے تعلقی خاطر پیدا کرنے کی بجائے وہ اب اس کے باغیوں سے رشتہ اتحاد قائم کرنے کی منہنی ہے اور اُس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی بجائے اب وہ دوسرے سہاروں کی تلاش میں سرگرداں ہے تو اُسے یقین کرنا چاہیے کہ قادرِ مطلق بھی اُس کا محتاج نہیں وہ جب چاہے گا تو اپنے دین کی خدمت کے لیے کچھ دوسرے لوگوں کو منتخب کر لے گا:

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص دینِ حق کی  
 راہ سے پھر جائے گا تو اُسے یقین کرنا چاہیے  
 کہ خدا اپنے کلمہ حق کے لیے اس کا محتاج نہیں  
 فریب ہے کہ وہ ایک دوسری قوم کو نمایاں کرے جو  
 اللہ کو چاہنے والی ہوگی اور اللہ سے پیار کرے گی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ  
 مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ  
 بِعَمَلٍ مِيْئُومٍ وَيُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ  
 عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى  
 الْكَافِرِينَ۔ يَجَاهِدُونَ فِي

(باقی صفحہ ۱۹۸ پر)

(لہجہ اشارات - صفحہ ۶۴ سے آگے)

وہ مومنوں کے آگے نہایت عاجز و نرم ہونگے مگر  
کفار پر سخت۔ اللہ کی راہ میں بے خوف مجاہد ہونگے  
اور کسی الزام دینے والے کے الزام کی پروا نہ کریں گے۔  
یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے جسے چاہے اپنے فضل کے  
لیے چن لے۔ وہ اپنے فضل میں بڑی وسعت رکھنے  
والا اور سب کا حال جاننے والا ہے۔

سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ  
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ  
يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ -

جو لوگ اس قوم کے سہرا اور اس کے خیر خواہ ہیں انہیں ان پر آشوب حالات میں یہ سوچنا چاہیے  
کہ کیا اس قوم کی نیند کہیں موت کی نیند تو نہیں کہ یہ ہم حوادث کا شکار ہو کر اور مسلسل چوٹیں کھا کر بھی یہ بیدار  
نہیں ہونے پاتی۔ جیسے تاریخ سے پوچھیے کہ کیا کسی قوم نے معصیت کی زندگی اختیار کر کے کبھی فلاح کی  
راہ پائی ہے؟ کیا کسی قوم نے غفلت و اعراض کو شعار بنا کر کامرانی حاصل کی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر  
تم نے جانتے بوجھتے یہ افسوسناک طرز عمل کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ اگر گزرے ہوئے واقعات سے تم کوئی  
سبق حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں تو خدا را ذرا آنکھیں کھول کر ان حوادث کو تو دیکھ لو جو تمہیں ہر روز  
پیش آتے ہیں اور اس وحشتناک آواز کو تو سن لو جو تمہیں ہر لمحہ خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کی دعوت  
دیتی ہے۔

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ کوئی برس ایسا نہیں گزرنا کہ  
کہ ایک بار یا دو بار وہ بلاؤں میں نہ ڈالے جاتے  
ہوں پھر بھی ان کی غفلت کا یہ حال ہے کہ نہ تو  
توبہ کرتے ہیں اور نہ مصائب سے نصیحت پکڑتے ہیں۔

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي  
كُلِّ عَاوَةٍ مَرَّةٍ أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ  
وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ